ڈاکٹر سعدیہ طاہر*

چہرہ بہ چہرہ رُوبہ رُو: جمیلہ ہاشمی کی ایران شناسی

Abstract: *This Paper is a critical analysis of 19th Century Iranian Freedom fighter, Quratul-Ain Tahira as reflected in the fiction of Jamila Hashmi. Before Jamila Hashmi, Allama Iqbal has reflected upon the contribution of Quratul-Ain-Tahira to Iranian civilization in his "Javed Nama". Jamila Hashmi is the creative writer who has tried to reflect on the spiritual history of Iran. The most remarkable fact of this novel in that political history of Iran at the time of Tahira's crusade is also highlighted.*

جمیلہ ہاشمی نے اُردو ادب میں اسلامی تاریخی ناول نگاری کے باب میں ایک انتہائی قابلِ قدر مجتہدانہ کارنامہ سرانجام دیا۔ اردو ادب میں مولانا عبدالحلیم شرر سے لے کر نسیم حجازی اور مولانا رشید اختر ندوی تک اسلامی تاریخی ناول نگاری کی جو روایت موجود تھی اس میں شہنشاہوں اور اُن کی فتوحات کو بڑے رومانی انداز میں مرکزی حیثیت دی گئی تھی۔ جمیلہ ہاشمی نے" تلاشِ بہاراں "میں تحریکِ پاکستان کو اپنا موضوع بنایا اور پھر اِسلامی تاریخی ناول کی سِکہ بند روایت سے انحراف کرتے ہوئے شاہی درباروں اور لشکروں سے دُور مُسلمانوں کی رُوحانی تاریخ پر تخلیقی انداز میں غور و فکر شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں اُن کا اجتہادی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے "دشت سوس" میں مصنور ابن حلاج کی روحانی انقلابی تحریک کے گِرد ایک ناقابل فراموش ناول تصنیف کیا۔ اس طرح اُنہوں نے شہنشاہوں کے دور کی ایک انقلابی شخصیت قراۃ العین طاہرہ کو بھی اپنے ایک یاد گار ناول کا موضوع بنایا۔ اِس مقالے میں جمیلہ ہاشمی کے اسی ناول بعنوان "چہرہ بہ چہرہ، رُوبہ رُو" کا مطالعہ پیش نظر ہے۔

قراۃ العین طاہرہ کو بہائی مذہب کا پیروکار سمجھا جاتا ہے مگر یہ عرفِ عام درست نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جس زمانے میں علی محمد باب نے ایران کے شاہی دربار سے وابستہ ذاکرین کے فکر و عمل کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ایرانی شہنشائیت کے خلاف انقلاب کا عَلم بلند کیا تھا۔ اس زمانے میں قراۃ العین طاہرہ باب کی اس تحریک کی رُوحِ رواں تھی۔ قرۃ العین طاہرہ بھی ایک ایسے ہی ذاکر خاندان میں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی تھی جو پشت در پشت شاہی دربار سے وابستہ چلا آ رہا تھا۔ ان لوگوں کو شاہی دربار سے وابستہ ذاکروں کا یہ کردار ناپسند تھا۔ اُن کے خیال میں علمائے دین درباری تقاضوں کے مطابق مذہب کی شہنشائیت نواز تعبیریں پیش کرنے پر مامور تھے۔ جب شہنشائیت کے ظلم و ستم سے تنگ خلق خدا اس تحریک کی ہم نوا بن گئی تو بادشاہِ وقت نے اِس تحریک کو کچلنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ علی محمد باب سمیت تحریک کے بہت سے ` سر گرم قائدین کو تہ تیغ کر دیا گیا اور قراۃ العین طاہرہ کو گرفتار کر کے ایک خوبصورت مکان میں پابند کر دیا گیا۔ اس

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

قید و بند کے دوران قراۃ العین طاہرہ کو شاہی دربار میں بلند مناصب سے سرفراز کرنے کی ترغیب دی گئی۔ لیکن طاہرہ نے سر دینا پسند کیا اور بادشاہ وقت کی ترغیبات کو بڑی جرات کے ساتھ رد کر دیا۔ بالآخر شاہی فرمان کی تعمیل میں قراۃ العین طاہرہ کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس جرات زندانہ نے قراۃ العین طاہرہ کو سیاسی اور ادبی تاریخ کا ایک تابندہ ستارہ بنا دیا۔

اس قتل و غارت گری سے جان بچا کر بہت سے لوگ آس پاس کے علاقوں میں روپوش ہو گئے تھے۔ انہی میں سے ایک بہاؤ الدین حیفہ میں روپوش ہو گئے تھے جن کی شاعری کی دھوم برطانوی شرق شناس E.G. Brown کو بار بار ان کے پاس لے جاتی رہی۔ براؤن اس زمانے میں A Literary History of Persia لکھنے میں مصروف تھے۔ بہاؤالدین کی وفات کے بعد براؤن کی بیان کردہ روایات کے مطابق بہاؤالدین نے اسلام سے الگ ایک مذہبی مسلک بہائی مسلک کے نام سے قائم کر دیا تھا۔ براون کی زندگی ہی میں یورپ اور امریکہ میں اس مسلک کی پرجوش سرپرستی اور پذیرائی ہونے لگی اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ قراۃ العین طاہرہ اس بہائی مسلک کے نمودار ہونے سے بہت پہلے اس دنیا سے رخصت کر دی گئی تھی۔ یہ علی محمد باب اور ان کے ان ساتھیوں میں شامل تھیں جو بہائی نہیں تھے اور ایران کی تاریخ میں جنہیں بابی کہتے ہیں۔

برطانوی مستشرق E.G.Brown نے اپنی کتاب میں علی محمد باب کے تفصیلی اور تجزیاتی تعارف کے بعد لکھا ہے:

> " The beautiful and accomplished Kurratul-Ayn, the heroine, poetess, nay, almost the Prophetess of the new faith, distinguished by the title of " Jenab-i-Tahire" Her Excellence the Pure".۱؎

براؤن نے اپنی اسی تحریر میں اس امر کا ذکر بھی کیا ہے کہ قراۃ العین طاہرہ نے مثنوی مولانا روم کے انداز میں پانچ سو ستر اشعار پر مشتمل ایک مثنوی بھی لکھی تھی جو اپنے دورہ ایران کے دوران میرے ہاتھ نہ لگ سکی۔ ایران میں اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر پروفیسر براؤن اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ:

> "Many Poems written by Kurrat al-Ayn were amongst the favorite songs of the people, who were for the most part unaware of their authorship open allusions to the Bab had, of course, been cut out or altered, so that no one could tell the source from whence they came".۲؎

پروفیسر براون فارسی زبان و ادب پر اپنی علمی تحقیق کے سلسلے میں اسی زمانے میں ایران میں آتے جاتے رہے جس زمانے میں علی محمد باب کی تحریک زوروں پر تھی اور ایرانی شہنشاہیت کا احتساب اور تعزیرات اس سے بھی زیادہ زور پکڑے ہوئے تھا۔ انہوں نے معاصر شواہد کی بنا پر باب کی تحریک کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے مجھے اس میں فقط قراۃ العین طاہرہ کے شاعرانہ مقام سے غرض ہے۔۳؎

ہمارے ہاں سب سے پہلے علامہ اقبالؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف " جاوید نامہ " کے ایک فلک پر حلاج، غالب اور قراۃ العین طاہرہ کو ایک ساتھ دکھایا ہے۔ اقبال نے ان تینوں شخصیات کے بارے میں " ارواح جلیلہ " کی صفت استعمال کی ہے۔ اقبال کے بعد

قراۃ ا   طاہرہ کی شخصیت اور افکار کو اس کے عہد کے تناظر میں جمیلہ ہاشمی نے بڑے بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ناولٹ "چہرہ بہ چہرہ روبہ رو" میں کاچار ایران کے سیاسی پس منظر میں قراۃ العین طاہرہ کے عہد اور ان کی ذات وصفات کو اپنا موضوع بنایا ہے یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جمیلہ ہاشمی نے اپنے ناولٹ کا عنوان ہی قراۃ العین طاہرہ کی اس غزل کے مطلع سے اخذ کیا ہے جو علامہ اقبال کو بہت پسند تھی۔

گر بتو افتدم نظر، چہرہ بہ چہرہ رُوبہ رُو
شرح دہم غمِ ترا نکتہ بہ نکتہ مو بہ موؔ

جمیلہ ہاشمی نے اپنے ناولٹ " چہرہ بہ چہرہ روبہ رو" میں قراۃ العین طاہرہ کے سوز و ساز و جستجو و آرزو کی حقیقت افروز عکاسی کرتے وقت ایران کی سیاسی، معاشرتی اور روحانی زندگی کی کشمکش کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ قراۃ العین طاہرہ کا اصل نام ام سلمیٰ تھا۔ ناولٹ کے پہلے باب میں امِ سلمیٰ کی سہیلیاں بار باراُن کی نظم "ساقی نامہ" سننے کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس پر ام سلمیٰ بڑی خوبصورتی کے ساتھ سنانے سے انکار کرتیں ہیں۔ اُن کا کہنا ہے۔

> "ہمارے عمزاد کی مہربانی ہے کہ وہ اس سے داد حاصل کرنے کے لئے جگہ جگہ لئے پھرتا ہے"۔ اس کی مسکراہٹ نہایت دلکش تھی جیسے شام پڑے اندھیرے کمرے میں چراغ جل اُٹھے۔ دانتوں کی چمک اور اندرونی مسرت ایک شانِ بے نیازی اس کے چہرے کو تابناک بنارہی تھی۔ ایک ایسی کیفیت جسے سرشاری اور غم کے درمیان کوئی سانام نہیں دیا جا سکتا۔ "امِ سلمیٰ کیا ہم سب بیٹھ جائیں" مرضیہ نے پوچھا۔ " نہیں آج نہیں شاہِ شہید ان پر ابھی چار گھڑیاں بھی نہیں گزریں۔ میں تم لوگوں کو پھر کبھی بہت سے اشعار سناؤں گی۔ تم سب بُرا نہیں منانا ہر کام کے لئے ایک وقت ہوتا ہے" ۔ وہ چپ ہو گئی۔۔۔۔ امِ سلمیٰ نے دل میں سوچا اور یہ لڑکیاں اس کے دل میں لگی آگ اور اس نار میں جلتے اس کے وجود کے ذوق و شوق اس کی بے چینی کو کیسے سمجھ سکتی ہیں۔ قہوہ خانے میں یونہی چرچا ہو رہا ہے۔ لوگ جب ایک شے کو سراہنے لگتے ہیں تو بنا سمجھ اس پر سر دُھنتے چلے جاتے ہیں۔ بھلا انہیں کیا خبر ہے کہ میں کس کی منتظر ہوں۔ اُنہیں کیا معلوم کس ساقی کا مجھے انتظار ہے "۵

امِ سلمیٰ اور ان کی سہیلیوں کے مابین اس گفتگو سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امِ سلمیٰ اپنی ذاتی تشہیر میں ذرا دلچسپی نہیں رکھتیں۔ ان کے دل میں ایران کی اُس عہد کی زندگی پر شہنشاہیت کے تسلط ا ور ایران کے مذہبی رہنماؤں کی شہنشاہیت کی حمایت کے پس پردہ دنیاداری پر ایک ایسا اضطراب ہے جو ہمیں اُن کی شخصیت کے حقیقی اصلاحی رخ سے متعارف کراتا ہے۔ وہ ایک ایسے خاندان کی چشم و چراغ تھیں جو ایرانیوں کی مذہبی اور دینی تربیت پر معمور تھے۔ مگر شہنشاہیت سے اپنے مالی مفادات کی بنا پر ہر حال میں تعاون جاری رکھے ہوئے تھے۔ ایسے میں وہ انتہائی کرب میں مبتلا تھیں اور اکثر سوچتی تھیں۔

"اپنے باپ اور اپنے سسر کو وہ سب کیا کہتی؟ وہ دنیادار اور معمولی آدمی تھے اور پھر سیاست کی بساط پر بھی ان کا کھیل جاری رہتا تھا۔ ایران تیز طوفانوں کی زد پر تھا اور بادشاہ اپنی روز بروز کم ہوتی طاقت کو مجتہدوں کے زور سے مضبوط پکڑے ہوئے تھا۔ زندگی جب معمول پر ہو تو خانقاہوں میں علم و عقل اور مباحث و تصنیف کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایسے میں جب صرف تقلید اور اندھا دھند اطاعت ہی سب سے بڑا مسئلہ ہو۔ کسی اور تعلیم کی گنجائش ہی کہاں تھی؟ شاہِ وقت بیرونی طاقتوں کی روک تھام میں اپنی ساری طاقت صرف کر رہا تھا۔ مگر اس کو روز ذلیل ترین معاہدوں میں اپنا آپ گرفتار کرنا پڑتا تھا۔ وہ گھر میں بیٹھنے والی کم ہمت اور بڑے باپ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے اور بندھنوں میں جکڑی تھی۔ عام آدمی جن باتوں کو آپس میں بیٹھ کر سلجھا لیتے ہیں۔ سارے بوجھ جو وہ ایک دوسرے کے سامنے اتار سکتے ہیں۔ اس کے دل پر اسی طرح تھے۔ وہ کسی سے یہ بات بھی نہیں کر سکتی تھی ہانی سے بھی نہیں۔"[۶]

ام سلمیٰ کی یہ کیفیت اس کے گھر کے افراد خصوصاً اس کے والد ملا محمد پر عیاں تھی۔ وہ ایک عالم دین تھے مگر دین سے زیادہ اپنی دنیا سنوارنے میں منہمک رہتے تھے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ام سلمیٰ کو بھی اس کرب و اضطراب سے نکالیں تاکہ وہ محض نماز، روزہ اور درود و سلام ہی کو دین داری سمجھے۔ وہ اپنے عہد کی ایرانی زندگی کو اسلام کے روحانی اصولوں کے مطابق تعمیر کرنے کے خواب دیکھنا چھوڑ دے مگر اس کے برگزیدہ والد کے دلائل بھی اثر انداز نہ ہوئے۔ ایک دن:

"وہ اُس اندرونی کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں ناراض ہو کر وہ کبھی کبھی معتکف ہو جایا کرتی تھی یا نہایت سوچ و بچار کرنے کے لئے گویا مراقبے میں چلی جاتی تھی۔ جب اس پر شدید مایوسی کے دورے پڑتے تھے اور وہ مناجاتوں میں کھو کر اپنی گویا بیماری کا علاج کرتی تھی۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے روتی رہتی۔ پھر اُٹھتی اور شعر کہتی کہتی ہی چلی جاتی اور آنسوؤں سے اس کا چہرہ بھیگا ہوا ہوتا۔ وہ خود اور بچے اسے تنہا چھوڑ دیتے"[۷]

اسے اس کیفیت سے نجات دلانے کی خاطر اس کی شادی کر دی گئی تھی۔ اس کے بچے پیدا ہوئے۔ شوہر، اولاد اور زندگی کی ان خوشیوں میں بھی قراۃ العین کی دنیا میں رنج والم کی وہی کیفیت برقرار رہی۔ اس زمانے میں ایران میں علی محمد باب کی دینی اور سیاسی اصلاح کی تحریک نے زور پکڑا اور ان کے ارد گرد ایسے جانثار جمع ہونے لگے جو ایران کو شہنشاہیت سے نجات دلا کر ایران کی سیاسی زندگی کو روحانی اصولوں کے مطابق منظم کر سکے۔

علی محمد سرزمینِ ایران کے مشہور شہر شیراز میں ایک سید گھرانہ میں پیدا ہوا اور آغازِ شباب ہی میں مجاہدوں اور ریاضتوں میں لگ گیا۔ اس کے عطار باپ نے اس کا دینی مزاج دیکھ کر اسے نجفِ اشرف بھیج دیا۔ یہاں تعلیم و ریاضت کے دوران وہ امام غائب کے انتظار میں رہنے لگا۔ خوابوں اور بشارتوں کے اس دور میں وہ امام غائب کے ورود اور اس کی قیادت میں ایران کی دینی زندگی دین کے اصولوں کے مطابق نئی تنظیم میں منہمک ہو گیا۔

”علی محمد میں ایک اندرونی تجلی تھی۔ جس کو ان کی دُور رس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا۔ ایران مہدی موعود کے انتظار میں اب عرب کی طرف نہیں دیکھے گا۔ بھلا یہ کیا ضروری ہے کہ مہدی مدینہ میں پیدا ہو۔ کیا قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ ماننے والے اس قابل نہ تھے کہ وہ مہدی کے بار امامت کو اٹھا سکیں؟ دنیا فسق وفجور سے بھر چکی تھی اور ایک ہزار سال سے زائد عرصہ گزر جانے پر اس کو حق پہنچتا تھا کہ وہ موعودہ ہستی کے انتظار سے یا ہاتھ اٹھالے یا پھر اس عرصہ تک کے لئے اپنے زخموں پر کوئی اور مرہم رکھے“۔۸

یہی سلسلہ فکر و خیال رفتہ رفتہ علی محمد کو ایک ایسی ذہنی کیفیت میں لے آیا جہاں انہوں نے خود کو باب کہلوانا شروع کر دیا۔ علی محمد باب کے اصلاحی اور تبلیغی پروگرام کی جزیات سنتے سنتے قراۃ العین طاہرہ اس سے ملنے کو بیتاب ہو گئیں۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ اس سے ملاقات کر پاتیں، حکومت وقت نے باب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے عقیدت مندوں نے ایک احتجاجی جلسہ کا اہتمام کیا جس میں ایران کے کونے کونے سے باب کے پیروکار جمع ہوئے۔ اس جلسے میں لوگوں کی تعداد دیکھ کر حکومت وقت نے باب کی تحریک کو قوت کے زور پر کچل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ قراۃ العین طاہرہ بھی گرفتار کر کے شاہی دربار میں لائی گئیں۔ جمیلہ ہاشمی نے اپنے ناولٹ کے اس مقام پر لکھا ہے۔

”قاچاری دربار شان و شوکت میں صفوی دربار کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خالص جاہ و جلال تھا جس میں کوئی خوف کی آمیزش نہ تھی مگر قاچاری سلطنت جس کے دروازوں پر دوسری طاقتیں دستک دے رہی تھیں اپنے گھر میں بھی غیر محفوظ تھی۔ ہر شورش کو ہر فتنے کو ہر آواز کو کسی اجنبی طاقت کا اشارہ سمجھا جاتا تھا۔ جب حکومتیں شک و شبہ میں گرفتار ہو جائیں اور انہیں اپنے پر یقین نہ رہے۔ وہ آمدنی کا بیشتر حصہ سراغ رسانی پر صرف کرتی ہیں اور وفاداری بھی بزور شمشیر حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ جب پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی محسوس ہوتی ہے اور وہ غیر مرئی سہاروں کی تلاش میں ہوتی ہیں۔ شرمندگی کو مٹانے کے لئے وہ ہر سائے پر لپکنے لگتی ہیں۔ شہ زور اپنے دشمن کو برداشت کر لیتا ہے کیونکہ اسے اپنے مدمقابل کے سامنے اپنی طاقت کا احساس ہوتا ہے کمزور حکمران معاف کر دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ برداشت کرنے اور رواداری کے سلیقے سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ وہ کسی کونے سے اٹھتی آواز کو بھی فتنہ سمجھ کر اسے اپنے لئے خطرہ سمجھ لیتے ہیں“۹

جو بھی دربار میں لائے گئے ان کے سر قلم کر دیئے گئے ماسوائے قراۃ العین طاہرہ کے۔ ناصر الدین قاچار نے قراۃ العین کو دیکھا تو اس کے جی میں آئی کہ وہ اُسے اپنے ملکہ بنالے چنانچہ اسے پھر سے وہاں بھیج دیا گیا جہاں سے لایا گیا تھا۔ اسی روز اسے ریشمی لفافے میں لپٹا ہوا شادی کا پیغام موصول ہوا۔ قراۃ العین نے ملکہ وقت بننے کی اس شاہی دعوت کو یہ کہہ کر رد کر دیا:

تو و ملک و جاہ و سکندری
من و رسم و راہِ قلندری
اگر آن نکو است تو در خوری
اگر آن نکو است تو در خوری
دگر آں بدست مرا سزا

اس پر غضب ناک ہو کر بادشاہ نے قراۃ العین طاہرہ کو بھی انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا اور یوں قراۃ العین اپنے انجام کو پہنچیں۔ آج وہ بابی تحریک کے تمام رہنماؤں سے زیادہ مشہور اور انکی شاعری کا ڈنکا ابھی تک بج رہا ہے۔

جمیلہ ہاشمی کی ناول نگاری میں جن صاحب جوش و جنون شخصیات کو سامنے لایا گیا ہے ان میں منصور حلاج اور قراۃ العین طاہرہ نمایاں ہیں۔ قراۃ العین پر اپنے ناولٹ کا عنوان بھی "چہرہ بہ چہرہ روبہ رو" انہوں نے طاہرہ کی شہرہ آفاق غزل کے پہلے مصرعے سے لیا۔ ناولٹ میں قراۃ العین کی ذاتی زندگی اور اس کے عہد کی اجتماعی زندگی کا حقیقت پسندانہ تجزیہ پیش کیا گیا۔ اس سے پیشتر ہماری ادبیات میں قراۃ العین طاہرہ کا چرچا تو بہت رہا ہے مگر انہیں سمجھنے کی ایسی فنکارانہ کوشش بھی نہیں کی گئی اور تاریخی وسیاسی شعور کے ساتھ ایسی دستاویز بھی سامنے نہیں آئی۔

حوالہ جات:۔

1. Moojan Monen , Selections form the writings of E.G Brown on the Babi and Baha'i Religions, Oxford Press 1987, P 240.

۲۔ ایضاً P 242

۳۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے:
Sabir Afaqi Edited by: Tahira in History Loss Angela's 2004

۴۔ اقبال، کلیات اقبال فارسی، اقبال اکادمی لاہور 1990، ص ۵۹۳۔

۵۔ جمیلہ ہاشمی، چہرہ بہ چہرہ روبہ رو، رائٹرز بک کلب لاہور س ن، ص ۱۰۔۱۱

۶۔ ایضاً، ص ۱۸ ۷۔ ایضاً، ص ۳۳

۸۔ ایضاً، ص ۵۴

۹۔ ایضاً، ص ۱۰۱۔۱۰۲ ۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰۶

☆☆☆☆☆